قوم پرستی ہندوستان میں

جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ یوروپ میں جدید قوم پرستی (جدید نیشنلزم) کو نیشن اسٹیٹس کی تشکیل سے منسلک سمجھا گیا۔ ساتھ ہی اس کا مطلب ان معاملات میں لوگوں کی سمجھ میں تبدیلی بھی تھا کہ وہ کون تھے اور کیا چیز ہے جو ان کی شناخت اور ان کے رشتوں کا تعین کرتی ہے۔ نئی علامتوں، نئے بتوں(Icons)، نئے گیتوں اور نئے نظریات وخیالات نے نئے رشتے استوار کیے اور سماج کی حدود کو از سر نو متعین کیا۔ اکثر ملکوں میں اس نئی قومی شناخت کی تشکیل کا عمل ایک طول طویل عمل تھا۔ یہ شعور ہندوستان میں کیسے وجود میں آیا؟

ویتنام اور دوسرے بہت سے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی جدید نیشنلزم کا بڑا قریبی تعلق نوآبادکاری مخالف تحریک سے رہا ہے۔ نوآبادیاتی نظام کے خلاف اپنی جدوجہد کے دوران ان لوگوں نے اپنی یکجہتی اور اپنے اتحاد کو دریافت کرنا شروع کیا۔ نوآبادیاتی نظام کی سخت گیری کے احساس نے درد کا ایک ایسا مشترک رشتہ استوار کر دیا جس نے متعدد مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔ مگر ہر طبقے اور ہر گروہ نے نوآبادیاتی نظام کے اثرات کو مختلف انداز سے محسوس کیا ان کے تجربات متنوع تھے اور آزادی کے ان کے تصورات بھی ہمیشہ ایک سے ہی نہیں ہوتے تھے۔ مہاتما گاندھی کے زیر اثر کانگریس نے ان گروہوں کو ایک تحریک میں ساتھ لانے کی کوشش کی۔ مگر یہ اتحاد تنازعات سے سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکا۔

ایک پچھلی درسی کتاب میں آپ نے بیسویں صدی کی پہلی دہائی تک ہندوستان میں قوم پرستی کے فروغ ونشو ونما کے بارے میں پڑھا ہے۔ اس باب میں ہم کہانی کو بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے شروع کریں گے اور عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریکوں کا مطالعہ کریں گے۔ ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ کانگریس نے قومی تحریک کو کس طرح فروغ دینا چاہا، مختلف سماجی گروہوں نے تحریک میں کیسے شرکت کی اور کس طرح نیشنلزم عوام کے تصورات پر چھا گیا۔

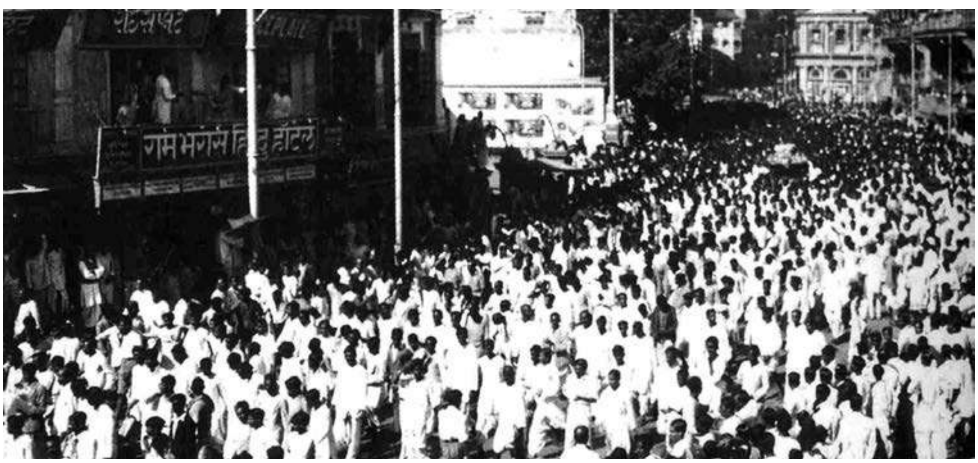

شکل.1— 6 اپریل 1919 سڑکوں پر عوامی جلوس قومی تحریک کے زمانے میں ایک عام علامت بن گئے۔

© NCERT Not to be Republished

1 پہلی جنگ عظیم، خلافت اور عدم تعاون

1919 کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ قومی تحریک نئے علاقوں تک پھیل رہی ہے، نئے سماجی گروپ شامل ہو رہے رہیں اور جدوجہد کے نئے طریقے وجود میں آ رہے ہیں۔ ہم اس پیش رفت سے کیا سمجھتے ہیں؟ ان کے مضمرات کیا ہیں؟

سب سے پہلے تو یہ کہ جنگ نے ایک نئی اقتصادی اور سیاسی صورت حال پیدا کر دی۔ اس سے دفاع کے اخراجات میں زبردست اضافہ ہوا جس کے لیے رقم جنگی قرضوں اور بڑھے ہوئے ٹکسوں سے فراہم کی گئی۔ کسٹم محصول بڑھا دیا گیا اور آمدنیوں پر ٹکس لگائے گئے۔ جنگ کے دوران اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہوا۔ 1913 اور 1918 کے درمیان یہ تقریباً دوگنی ہو گئیں۔ نتیجتاً عام آدمی کے لیے مشکلات شدید ہو گئیں۔ گاؤں سے سپاہی فراہم کرنے کے لیے کہا گیا، دیہی علاقوں میں ہونے والی جبری بھرتی نے بڑے پیمانے پر ناراضگی پیدا کی۔ پھر 19—1918 اور 21—1920 میں، ہندوستان کے بہت سے حصوں میں فصلیں خراب ہوئیں، جس سے کھانے کی اشیا کی زبردست قلت ہو گئی۔ اسی کے ساتھ انفلوئنزا کی وبا پھیلی۔ 1921 کی مردم شماری کے مطابق 12 سے 13 ملین لوگ، قحط اور وبا کی نذر ہو گئے۔

لوگوں کو توقع تھی کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ان کی مشکلات بھی ختم ہو جائیں گی۔ مگر ایسا ہوا نہیں۔ اس منزل پر ایک نیا لیڈر سامنے آیا اور اس نے جدوجہد کا نیا طریقہ تجویز کیا۔

نئے الفاظ

جبری بھرتی — ایک قاعدہ جس کے تحت نوآبادیاتی حکومت لوگوں کو زبردستی فوج میں بھرتی کرتی تھی۔

1.1 ستیہ گرہ کا خیال

مہاتما گاندھی جنوری 1915 میں ہندوستان واپس آئے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ جنوبی افریقہ سے آئے تھے، جہاں انھوں نے نسلی حکومت کے خلاف، عوامی احتجاج کے ایک انوکھے

شکل 2. — جنوبی افریقہ میں ہندوستانی ورکر Volksrust میں مارچ کرتے ہوئے نومبر 1913۔
نیو کاسل سے ٹرانسوال تک مہاتما گاندھی مزدوروں کی قیادت کر رہے تھے۔ جب مارچ کرنے والے روک دیے گئے اور مہاتما گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا تو کالے رنگ والوں کو حقوق سے محروم کرنے والے نسلی قوانین کے خلاف ستیہ گرہ میں مزید ہزاروں مزدور شریک ہو گئے۔

© NCERT Not to be Republished

طریقے سے کامیاب لڑائیاں لڑی تھیں اس طریقے کو وہ 'ستیہ گرہ' کہتے تھے۔ ستیہ گرہ کا خیال سچ کی قوت اور سچ کی تلاش پر زور دیتا تھا۔ اس کے مطابق اگر مقصد سچا ہے، اگر جدوجہد ناانصافی کے خلاف ہے تو جابر سے لڑنے کے لیے جسمانی طاقت ضروری نہیں ہوتی۔ انتقام کے جذبے اور جارح ہوئے بغیر، ایک ستیہ گرہی، عدم تشدد کے ذریعے جنگ جیت سکتا ہے یہ کام جابر کے ضمیر کو اپیل کر کے کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کو، جن میں جابر بھی شامل ہیں، تشدد کو استعمال کر کے سچ کو منوانے پر مجبور کرنے کے بجائے انھیں سچائی دیکھنے پر مائل کرنا ہوگا۔ اس کوشش سے بالآخر سچ کی جیت یقینی ہے۔ مہاتما گاندھی کو اس بات پر یقین تھا کہ عدم تشدد کا یہ دھرم تمام ہندوستانیوں کو متحد کر سکتا ہے۔

ہندوستان آنے کے بعد مہاتما گاندھی نے مختلف مقامات پر بڑی کامیابی کے ساتھ ستیہ گرہ کی تحریکوں کو منظم کیا۔ چائے کے باغات کے جابر و ظالم نظام کے خلاف جدوجہد کرنے کے لیے کسانوں کے حوصلوں کو بڑھانے کی خاطر انھوں نے چمپارن (بہار) کا سفر کیا۔ اس کے بعد 1917 میں گجرات کے کھیڑا اضلع میں کسانوں کی مدد کرنے کے لیے ایک ستیہ گرہ کا انتظام کیا۔ فصل کی خرابی اور طاعون کی وجہ سے کھیڑا کے کسان لگان ادا نہیں کر سکتے تھے اور وہ لگان جمع کرانے میں بھی کچھ نرمی برتے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ 1918 میں مہاتما گاندھی 'کاٹن مل' کے مزدوروں میں ستیہ گرہ کی تحریک کو منظم کرنے کے لیے احمد آباد گئے۔

1.2 رولٹ ایکٹ

کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمت اور حوصلہ حاصل کرنے کے بعد انھوں نے 1919 میں مجوزہ رولٹ ایکٹ (1919) کے خلاف ملک گیر پیمانے پر ستیہ گرہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بل ہندوستانی اراکین کی مخالفت کے باوجود امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں انتہائی تیزی سے پاس کر دیا گیا۔ اس بل نے سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے حکومت کو بے انتہا اختیارات دیے تھے اور سیاسی قیدیوں کو بغیر مقدمہ چلائے دو سال تک حراست میں رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔ مہاتما گاندھی نے نامنصفانہ قوانین کے خلاف ایک غیر متشدد سول نافرمانی کرنا چاہی جس کا آغاز 16 اپریل کو ایک ہڑتال سے ہونا تھا۔

مختلف شہروں میں ریلیاں ہوئیں، ریلوے ورکشاپس میں مزدوروں نے ہڑتالیں کیں، دوکانیں بند ہوئیں۔ عوامی جوش و خروش سے گھبرا کر، ریلوں اور ٹیلی گراف جیسے نقل و حمل اور رسل و رسائل کے وسیلوں میں افراتفری کے خوف سے، برطانوی انتظامیہ نے قوم پرستوں پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ امرتسر میں مقامی لیڈر گرفتار کر لیے گئے، مہاتما گاندھی کے دہلی میں داخلے پر پابندی لگا دی گئی 10 اپریل کو پولیس نے امرتسر میں ایک پُرامن جلوس پر گولیاں چلائیں، جس سے بھڑک کر بینکوں، ڈاک خانوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر وسیع پیمانے پر حملے ہوئے۔ مارشل لا لگا دیا گیا اور جنرل ڈائر نے کمان سنبھال لی۔ 13 اپریل کو جلیاں والے باغ کا بدنام زمانہ واقعہ ہوا۔ ایک میلے میں شرکت کرنے کے لیے اس دن دیہاتیوں کا ایک جم غفیر آیا تھا اور جلیاں والا باغ کے چہار دیواری سے گھرے ہوئے احاطے میں اکٹھا تھا۔ شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے مارشل لا کے نفاذ سے یہ لوگ

ماخذ A

مہاتما گاندھی: ستیہ گرہ کے موضوع پر

مجہول مزاحمت (Passive Resistance) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کمزور کا ہتھیار ہے۔ مگر قوت، جو اس مضمون کا موضوع ہے، صرف مضبوط اور طاقت ور ہی استعمال کر سکتا ہے۔ یہ قوت مجہول مزاحمت نہیں ہوتی۔ حقیقتاً یہ شدید عمل کا مطالبہ کرتی ہے۔ جنوبی افریقہ میں تحریک مجہول مزاحمت نہیں تھی......

ستیہ گرہ جسمانی طاقت نہیں ہے۔ ایک ستیہ گرہی اپنے مخالف کو تکلیف نہیں پہنچاتا، وہ اس کی تباہی بھی نہیں چاہتا......ستیہ گرہ کے استعمال میں بغض و عداوت بھی نہیں ہوتی۔

ستیہ گرہ ایک خالص روحانی قوت ہے۔ سچائی روح کا حقیقی خمیر ہے۔ اس لیے اسے ستیہ گرہ کہا جاتا ہے۔ روح کو دانشمندانہ علم ہوتا ہے۔ اس میں محبت کی چنگاری سلگتی ہے......عدم تشدد عظیم ترین دھرم ہے۔

یہ یقینی بات ہے کہ ہندوستان ہتھیاروں کی قوت پر برطانیہ اور یورپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا برٹش جنگ کے دیوتا کی پوجا کرتے ہیں وہ سب ہتھیار اٹھانے والے ہو سکتے ہیں، اور وہ ہتھیار اٹھانے والے ہو رہے ہیں، ہندوستان میں لاکھوں کروڑوں لوگ ہتھیار نہیں اٹھا سکتے۔ انھوں نے عدم تشدد کے مذہب کو اپنا لیا ہے......

سرگرمی

متن کو غور سے پڑھیے۔ مہاتما گاندھی جب ستیہ گرہ کو 'فعال مزاحمت' کہتے ہیں تو ان کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

© NCERT Not to be Republished

ناواقف تھے ڈائر احاطے میں داخل ہوا نکلنے کے راستوں کو روک دیا اور مجمع پر گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ ہزاروں لوگ مارے گئے۔ اس کارروائی سے اس کا مقصد، بقول اس کے، ستیہ گرہیوں کے دماغوں میں خوف اور ہیبت پیدا کرنے کے لیے 'ایک اخلاقی تاثر'' پیدا کرنا تھا۔

جلیاں والا باغ کی خبر جوں ہی پھیلی، شمالی ہند کے متعدد شہروں میں لوگ سڑکوں پر آ گئے۔ ہڑتالیں ہوئیں، پولیس والوں سے جھڑپیں ہوئیں اور سرکاری عمارتوں پر حملے ہوئے۔ حکومت نے جواب میں، لوگوں کو ذلیل کرنے اور خوف زدہ کرنے کے لیے وحشیانہ ظلم کیے۔ ستیہ گرہیوں کو اپنی ناکیں زمین پر رگڑنے اور سڑکوں پر رینگ کر چلنے پر مجبور کیا گیا، تمام 'صاحبوں' کو سلام کرایا گیا۔ لوگوں کو کوڑے لگائے گئے پنجاب میں گجرانوالہ (اب پاکستان میں ہے) کے نواحی گاؤوں پر بمباری ہوئی۔ تشدد کو بڑھتا دیکھ کر مہاتما گاندھی نے تحریک کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

رولٹ ستیہ گرہ اگرچہ خاصی پھیلی ہوئی تحریک تھی مگر پھر بھی یہ ابھی زیادہ تر چند شہروں اور قصبوں تک محدود تھی۔ اب مہاتما گاندھی نے ہندوستان میں زیادہ متنوع اور وسیع بنیادوں پر ایک تحریک کی ضرورت کو محسوس کیا۔ مگر ان کو اس بات کا یقین تھا کہ ایسی کوئی بھی تحریک ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب لائے بغیر منظّم نہیں کی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنے کا، انھوں نے سوچا، کہ ایک طریقہ خلافت تحریک کو اپنا لینا ہے۔ پہلی جنگ عظیم عثمانی ترکی کی شکست کے ساتھ ختم ہوئی تھی۔ اور افواہیں گرم تھیں کہ ایک بڑا سخت امن معاہدہ عثمانی شہنشاہ پر (جو عالم اسلام کے خلیفہ بھی ہیں) مسلط کیا جائے گا۔ خلیفہ کے دنیاوی اختیارات کے تحفظ و دفاع کے لیے مارچ 1919 میں بمبئی میں ایک خلافت کمیٹی تشکیل دی گئی۔ محمد علی اور شوکت علی جیسے مسلم لیڈروں کی نوجوان نسل نے، اس مسئلے پر کسی متحدہ عوامی ایکشن کے امکانات پر غور کرنے کے لیے مہاتما گاندھی سے گفت وشنید شروع کی مہاتما گاندھی نے اسے مسلمانوں کو ایک متحدہ قومی تحریک کی چھتر چھایا میں لانے کے ایک موقع کی طرف دیکھا۔ ستمبر 1920 میں کلکتے میں ہونے والے کانگریس سیشن میں انھوں نے خلافت اور سوراج کی حمایت کے لیے ایک غیر متشدد تحریک شروع کرنے کی ضرورت پر دوسرے لیڈروں کو راضی کر لیا۔

شکل 3۔ جنرل ڈائر کے پیٹ کے بل رینگنے کے احکامات برطانوی سپاہیوں کے ذریعے نافذ کیے جا رہے ہیں — امرتسر پنجاب 1919

1.3 عدم تعاون کیوں؟

اپنی مشہور کتاب 'ہند سوراج' (1909) میں مہاتما گاندھی نے لکھا تھا کہ ہندوستان میں برطانوی عہد، ہندوستانیوں کے تعاون سے قائم ہوا تھا اور اسی تعاون کے سہارے وہ باقی بھی رہا۔ اگر ہندوستانی یہ تعاون دینا چھوڑ دیں تو برطانوی حکومت ایک برس کے اندر اندر منہدم و مسمار ہو جائے گی اور سوراج آ جائے گا۔

عدم تعاون ایک تحریک کیوں کر بن سکتا ہے؟ گاندھی کی تجویز تھی کہ تحریک کو آہستہ آہستہ اور بتدریج

© NCERT Not to be Republished

پھیلنا اور بڑھنا چاہیے۔اس کا آغاز حکومت کے دیے ہوئے القابات کی واپسی اور سول سروسز، فوج، پولیس، عدالتوں، مجالس قانون ساز، اسکولوں میں اور بدیسی سامان کے بائیکاٹ سے ہونا چاہیے۔اس کے بعد اگر حکومت ظلم وزیادتی کرتی ہے تو پھر سول نافرمانی کی ایک بڑی مہم چلائی جائے گی۔1920 کے موسم گرما میں مہاتما گاندھی اور شوکت علی نے تحریک کے لیے عوامی حمایت حاصل کرنے کی خاطر ملک بھر کا دورہ کیا۔

نئے الفاظ

بائیکاٹ — لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے، ان سے تعلق رکھنے، سرگرمیوں میں شریک ہونے اور اشیا کو خریدنے اور استعمال کرنے سے انکار۔عموماً احتجاج کی ایک شکل۔

کانگریس کے اندر، بہر حال بہت سے لوگ ان تجاویز کے سلسلے میں کچھ تذبذب میں تھے۔ نومبر 1920 میں ہونے والے کونسل کے انتخابات کے بائیکاٹ کے بارے میں انھیں کچھ تامل تھا۔انھیں یہ خدشہ تھا کہ تحریک عوامی تشدد کی طرف لے جائے گی۔ستمبر اور دسمبر کے درمیان خود کانگریس کے اندر شدید کھینچا تانی تھی۔ایک وقت تو ایسا لگتا تھا کہ تحریک کے موافقین اور مخالفین کے درمیان مصالحت کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔بہر حال آخر میں، دسمبر 1920 کے ناگپور کانگریس سیشن میں ایک سمجھوتے پر کام کیا گیا اور عدم تعاون کا پروگرام منظور کر لیا گیا۔

تحریک کس طرح آگے بڑھی؟ اس میں کون لوگ شریک ہوئے؟ مختلف سماجی گروہوں نے اپنے ذہنوں میں عدم تعاون کی کیا تصویر بنائی؟

شکل.4 — بدیسی کپڑوں کا بائیکاٹ، جولائی **1922**۔بدیسی کپڑے کو مغرب کی اقتصادیات اور اس کے ثقافتی غلبے کی علامت کے طور پر دیکھا گیا۔

© NCERT Not to be Republished

2 تحریک میں باہم ناموافق دھارے

عدم تعاون — خلافت تحریک جنوری 1921 میں شروع ہوئی۔ اس میں مختلف سماجی گروہوں نے شرکت کی، اپنی اپنی مخصوص امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ۔ ان میں سے ہر ایک نے 'سوراج' کے نعرے پر لبیک کہا۔ مگر یہ اصطلاح مختلف لوگوں کے لیے مختلف معنی رکھتی تھی۔

2.1 تحریک قصبوں میں

تحریک اوسط طبقہ کے لوگوں کی شرکت سے شہروں میں شروع ہوئی تھی، سرکاری اسکولوں کے ہزاروں طلبا نے اسکول چھوڑے، ہیڈ ماسٹروں اور استادوں نے استعفے دیے، وکیلوں نے اپنی وکالت ترک کی۔ کونسل کے انتخابات کا مدراس کے علاوہ ہر جگہ بائیکاٹ ہوا۔ مدراس جہاں غیر برہمن لوگوں کی جسٹس پارٹی کا خیال تھا کہ کونسل میں جانا، تھوڑی بہت قوت اور اختیار حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ قوت و اختیار جس تک صرف برہمنوں کی دسترس تھی۔

اقتصادی لحاظ پر عدم تعاون کے اثرات زیادہ پڑے تھے۔ بدیسی سامان کا بائیکاٹ ہوا تھا، شراب کی دوکانوں پر دھرنے دیئے گئے تھے اور بدیسی کپڑوں کی ہولیاں جلائی گئی تھیں۔ 1921 اور 1922 کے درمیان بدیسی کپڑے کی درآمد آدھی رہ گئی تھی اور اس کی قدر و قیمت 102 کروڑ سے گھٹ کر محض 57 کروڑ ہوگئی تھی۔ بہت سی جگہوں پر تھوک فروشوں اور خردہ فروشوں نے بدیسی اشیا کی تجارت یا بدیسی کاروبار میں پیسہ لگانے سے انکار کر دیا۔ بائیکاٹ کی تحریک جوں جوں بڑھی اور لوگوں نے درآمد کیے ہوئے کپڑوں کے استعمال کو ترک کرنا اور صرف ہندوستان میں بنا ہوا کپڑا استعمال کرنا شروع کیا، ہندوستانی ٹیکسٹائل ملوں اور کرگھوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

مگر متعدد اسباب کی بنا پر شہروں میں تحریک بتدریج سست ہوگئی، کھادی، ملوں کے بنے ہوئے کپڑے کے مقابلے میں عموماً زیادہ قیمتی ہوتی تھی اور غریب آدمی اسے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔ ایسی صورت حال میں مل کے کپڑے کا بائیکاٹ لوگ کتنے دن کر سکتے تھے؟ اسی طرح برطانوی اداروں کے بائیکاٹ نے بھی مسئلہ پیدا کیا۔ تحریک کی کامیابی کے لیے متبادل ہندوستانی ادارے قائم کرنا ضروری تھا تاکہ برطانوی اداروں کی جگہ انھیں استعمال کیا جاسکے۔ ایسے اداروں کے قیام کی رفتار بہت سست تھی چنانچہ طالب علم اور استاد سرکاری اسکولوں کی طرف واپس جانے لگے اور وکیلوں نے سرکاری عدالتوں میں پھر سے کام کرنا شروع کر دیا۔

2.2 دیہی علاقوں میں بغاوت

عدم تعاون کی تحریک شہروں سے گاؤوں کی طرف بڑھی۔ اس نے جنگ کے بعد کے برسوں میں، ہندوستان کے مختلف حصوں میں شروع ہونے والی کسانوں اور قبایلیوں کی جدوجہد کو اپنے

نئے الفاظ

Picket ۔ دھرنا مظاہرے اور احتجاج کی ایک شکل جس کے ذریعے لوگ کسی دوکان کسی فیکٹری یا کسی آفس میں داخلے کا راستہ روکتے ہیں۔

سرگرمی

سنہ 1921 ہے۔ آپ حکومت کے زیر اہتمام چلنے والے ایک اسکول میں طالب علم ہیں۔ ایک پوسٹر بنایئے جس میں عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہونے کی گاندھی جی کی اپیل کا جواب دینے کے لیے طلبا سے درخواست ہو۔

© NCERT Not to be Republished

ساتھ شامل کرلیا۔

اودھ میں کسانوں کی قیادت بابا رام چندر نے کی۔ بابا جی ایک سنیاسی تھے اور ایک زمانے میں فیجی میں بندھوا مزدور کی حیثیت سے رہے تھے۔ یہاں تحریک تعلقہ داروں اور زمین داروں کے خلاف تھی جو کسانوں سے انتہائی زیادہ لگان اور بہت سی دوسری وصولیوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ کسانوں کو زمین داروں کی زمینوں پر بغیر کسی معاوضے کے بیگار کرنا ہوتا تھا۔ پٹے دار ہونے کی حیثیت سے پٹے داری کی مدت کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ کچھ مدت کے بعد ان کی پٹے داریاں ختم کردی جاتی تھیں تاکہ وہ زمین پر اپنا حق کبھی حاصل نہ کرسکیں۔ کسانوں کی تحریک نے لگان میں کمی، بیگار کی منسوخی اور ظالم زمین داروں کے بائیکاٹ کا مطالبہ کیا۔ بہت سی جگہوں پر پنچایتوں نے نائیوں اور دھوبیوں کی خدمات سے زمین داروں کو محروم کرنے کے لیے نائی، دھوبی ہڑتالوں (Bandhs) کا انتظام کیا۔ جون 1920 میں جواہر لال نہرو نے اودھ کے گاؤوں کے دورے کیے، وہاں کے لوگوں کے مصائب کو سمجھنے کے لیے ان سے گفتگو کی۔ اکتوبر تک جواہر لعل نہرو، بابا رام چندر اور کچھ لوگوں کی سربراہی میں اودھ کسان سبھا بن گئی۔ ایک مہینے کے اندر ہی علاقے کے گاؤوں میں، سبھا کی تین سو سے زیادہ شاخیں قائم ہوگئیں۔ اگلے سال جب عدم تعاون کی تحریک شروع ہوئی تو کانگریس کی یہ کوشش تھی کہ اودھ کے کسانوں کی جدوجہد کو وسیع تر جدوجہد سے منسلک کرلیا جائے۔ مگر کسان تحریک نے ایسی شکلیں اختیار کیں جن سے کانگریس کی قیادت خوش نہیں تھی۔ 1921 میں جب تحریک پھیلی تو تعلقہ داروں اور تاجروں کے گھروں پر حملے ہوئے، بازار لوٹے گئے اور غلہ کے ذخیروں پر قبضہ کرلیا گیا۔ بہت سی جگہوں پر مقامی لیڈروں نے کسانوں کو بتایا کہ گاندھی جی نے اعلان کیا ہے کہ ٹیکس نہ دیے جائیں اور یہ کہ زمین غریبوں میں بانٹی جائے گی۔ مہاتما گاندھی کا نام تمام سرگرمیوں اور تمام خواہشوں کی منظوری کی ضمانت تھا۔

قبائلی کسانوں نے مہاتما گاندھی کے پیغام اور سوراج کے نظریے کی تاویل کسی اور ہی ڈھنگ سے کی۔ مثلاً آندھرا پردیش کی Gudern Hill میں 1920 کے اوائل میں ایک عسکری گوریلا

نئے الفاظ

بیگار — وہ کام جو گاؤں والوں کو بغیر کسی اجرت کے زبردستی کرنا ہوتا ہے۔

سرگرمی

اگر 1920 میں، آپ اترپردیش کے ایک کسان ہوتے تو گاندھی جی کی سوراج کی اپیل پر آپ کا ردعمل کیا ہوتا؟ اپنے ردعمل کے اسباب بھی بتایئے۔

© NCERT Not to be Republished

ماخذ B

6 جنوری 1921 کو یونائیٹڈ پراونسز (موجودہ اترپردیش) میں رائے بریلی کے قریب پولیس نے کسانوں پر گولی چلائی۔ جواہر لعل نہرو فائرنگ والی جگہ پر جانا چاہتے تھے مگر پولیس نے انھیں روک دیا۔ ناراض اور بپھرے ہوئے نہرو نے اپنے آس پاس جمع ہونے والے کسانوں سے خطاب کیا۔ اس میٹنگ کا حال انھوں نے یوں بیان کیا:

ان لوگوں نے خطرات کے سامنے نڈر اور پرسکون رویہ رکھا اور کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ کیا محسوس کر رہے تھے مگر میں یہ جانتا ہوں کہ میں کیا محسوس کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرا خون کھولا، عدم تشدد کا خیال ذہن سے نکل چکا تھا۔ مگر یہ کیفیت بس ایک لمحے کی تھی۔ مجھے اس عظیم لیڈر کا خیال آیا جسے خدا نے اپنی مہربانی سے فتح و کامرانی تک ہماری رہنمائی کے لیے بھیجا تھا اور میں نے اپنے قریب بیٹھے اور کھڑے ہوئے کسانوں کو دیکھا، کم مشتعل اور مجھ سے زیادہ پرسکون — کمزوری کا یہ لمحہ گزر گیا۔ میں نے ان لوگوں سے انتہائی خاکساری کے ساتھ عدم تشدد کی بات کی حالانکہ اس سبق کی زیادہ ضرورت مجھے تھی۔ ان لوگوں نے میری باتیں توجہ سے سنیں اور چلے گئے۔''

(سروا پلی گوپال کی کتاب 'جواہر لعل نہرو — ایک بائیوگرافی، جلد I میں حوالہ)

تحریک چلی— جدوجہد کی ایک ایسی شکل جسے کانگریس منظوری نہیں دے سکتی تھی۔ دوسرے جنگلاتی علاقوں کی طرح یہاں بھی نوآبادیاتی حکومت نے جنگل کے بڑے بڑے علاقوں کو بند کر دیا تھا، لوگ اپنے مویشیوں کو چَرانے کے لیے یا لکڑی اور پھل وغیرہ جمع کرنے کے لیے جنگلوں میں داخل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس اقدام نے پہاڑی لوگوں کو شدید ناراض کر دیا۔ اس کاروائی سے نہ صرف یہ کہ ان کی روزی روٹی پر اثر پڑا تھا بلکہ انھیں یہ بھی خیال ہوا تھا کہ یہ ان کے روایتی حقوق پر بھی حملہ ہے۔ سڑک بنانے کے لیے جب حکومت نے ان پر 'بیگار' کرنے پر زور ڈالا تو پہاڑیوں کے یہ باشندے سرکشی پر اتر آئے۔ اس میں ان کی قیادت کرنے کے لیے جو شخص آیا ایک بڑی دلچسپ شخصیت کا مالک تھا۔ الوری سیتارام راجو کا دعویٰ تھا کہ اس کے اندر بہت سی خصوصی طاقتیں ہیں۔ وہ علم نجوم کی مدد سے صحیح پیشین گوئیاں کرسکتا ہے، وہ لوگوں کا علاج کرسکتا ہے۔ اور وہ گولیاں کھا کر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ راجو سے مسحور ہوکر باغیوں نے اسے خدا کا اوتار قرار دیا۔ راجو نے مہاتما گاندھی کی عظمت کی بات کی اور کہا کہ ان کی عدم تشدد کی تحریک سے اسے بڑا ولولہ ملا ہے۔ اس نے لوگوں کو کھادی پہننے کی ترغیب دی اور خود شراب چھوڑ دی۔ مگر اس سب کے ساتھ ہی اس نے کہا کہ ہندوستان عدم تشدد سے نہیں صرف طاقت کے استعمال سے آزاد ہوسکتا ہے۔ Gudern باغیوں نے پولیس تھانوں پر حملے کیے، انگریز افسروں کو مارنے کی کوشش کی اور سوراج حاصل کرنے کے لیے گوریلا جنگ کی۔ راجو 1942 میں پکڑا گیا اور مار دیا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ عوامی ہیرو ہوگیا۔

2.3 چائے کے باغات اور سوراج

مزدور مہاتما گاندھی اور ان کے سوراج کے بارے میں خود اپنی ایک سمجھ رکھتے تھے۔ آسام کے چائے کے باغات میں کام کرنے والے مزدوروں کے لیے آزادی کا مطلب اس محدود جگہ سے نکل کر آزادانہ گھومنا پھرنا تھا کہ جہاں ان کو تقریباً بند رکھا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک اس آزادی کا مطلب ان گاؤں سے رابطہ قائم رکھنا بھی تھا جہاں سے وہ آئے تھے۔ 1859 کے اِن لینڈ امی گریشن ایکٹ کے تحت چائے باغات کے مزدوروں کو بغیر اجازت باغات سے نکلنے کا حق نہیں تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی اجازت انھیں شاذ و نادر ہی ملتی تھی۔ جب انھوں نے عدم تعاون کی بات سنی تو ہزاروں مزدوروں نے حکام کی حکم عدولی کی۔ چائے باغات کو چھوڑ دیا اور اپنے گھروں کی راہ لی۔ ان کا خیال تھا کہ گاندھی راج کی آمد آمد تھی اور یہ کہ اب ہر شخص کو اس کے گاؤں میں زمین ملے گی۔ وہ بہر حال اپنی منزل مقصود پر کبھی پہنچے نہیں۔ ریل اور اسٹیمروں کی ہڑتال کی وجہ سے وہ راستے ہی میں پھنس گئے۔ پولیس نے ان کو پکڑ لیا اور بڑی بے دردی سے مارا پیٹا۔

ان تحریکوں کے تصور کی کانگریس کے پروگراموں نے کوئی تعریف نہیں کی نہ ہی اس کے

سرگرمی

قومی تحریک میں شریک ہونے والے ایسے دوسرے لوگوں کے بارے میں معلوم کیجیے جو انگریزوں کے ہاتھوں پکڑے گئے اور مارے گئے۔ کیا آپ ایسی کوئی مثال انڈوچائنا کی قومی تحریک کی سوچ سکتے ہیں۔ (باب 2)؟

© NCERT Not to be Republished

پروگراموں سے اِن کا کوئی تعیین ہوا تھا۔ سوراج کی تاویل انھوں نے خود اپنے طریقوں سے کی تھی۔ سوراج ان کے ذہنوں میں ایک ایسا وقت اور ایک ایسا زمانہ تھا جب ساری پریشانیوں اور تمام تکلیفوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔ پھر بھی جب قبائلیوں نے گاندھی جی کا نام لیا اور 'سوتنتر بھارت' کا نعرہ لگایا تو وہ جذباتی طور پر اسے کل ہند پیمانے پر احتجاج سے جوڑے ہوئے تھے۔ جب وہ مہاتما گاندھی کا نام لے کر عمل کی راہ پر گامزن ہوئے تو وہ اپنے آپ کو ایک ایسی تحریک سے وابستہ سمجھ رہے تھے جو ان کی اپنی بستی کی حدود سے پرے تک تھی۔

© NCERT Not to be Republished

شکل 5— 'چوری چورا'، 1922

گورکھپور میں 'چوری چورا' کے مقام پر ایک بازار میں ہونے والا ایک مظاہرہ، پولیس کے ساتھ، ایک متشدد مقابلے میں بدل گیا۔ اس حادثے کے بارے میں سنتے ہی مہاتما گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک کو روکے جانے کا اعلان کر دیا۔

3 سول نافرمانی کی طرف

فروری 1922 میں مہاتما گاندھی نے عدم تعاون کو واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ ان کو محسوس ہوا کہ بہت سی جگہوں پر تحریک متشدد ہوتی جارہی ہے اور عوامی جدوجہد کے لیے تیار ہونے سے پہلے باقاعدہ تربیت کی ضرورت ہے۔ خود کانگریس میں کچھ لیڈر اب عوامی جدوجہد کے پروگراموں سے تھک گئے تھے اور ان صوبائی کونسلوں کے انتخابات میں حصہ لینا چاہتے تھے جنھیں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919 کے تحت بنایا گیا تھا۔ ان کو محسوس ہوتا تھا کہ کونسل کے اندر برطانوی پالیسیوں کی مخالفت کرنا، اصلاحات کے بارے میں بحثیں کرنا اور یہ دکھانا کہ یہ کونسلیں حقیقتاً جمہوری بھی نہیں زیادہ ضروری تھا۔ سی۔ آر۔ داس اور موتی لال نہرو نے کونسل کی سیاست کی طرف واپس لوٹنے پر زور دینے کے لیے کانگریس کے اندر سوراج پارٹی بنائی۔ مگر جواہر لال نہرو اور سبھاش چندر بوس جیسے نوجوان لیڈروں نے زیادہ انقلابی اور معنی خیز عوامی احتجاج اور مکمل آزادی پر زور دیا۔

داخلی بحث مباحثے اور اختلافات کے ایسے ماحول میں دو عناصر تھے جنہوں نے 1920 کے آخری برسوں میں ہندوستان کی سیاست کو ایک بار پھر ایک روپ دیا۔ پہلا عنصر تھا عالمگیر کساد بازاری کا اثر۔ زرعی قیمتیں 1926 سے گرنا شروع ہوئیں اور 1930 میں ایک دم منہدم ہوگئیں۔ زرعی پیداوار کی مانگ کم ہوئی اور برآمد میں انحطاط آیا تو کسانوں کے لیے اپنی پیداوار کو فروخت کرنا دشوار اور اپنے لگان کی ادائیگی کرنا مشکل ہوگیا۔ 1930 آتے آتے دیہات انتشار اور افراتفری کے شکار ہوگئے۔

اس پس منظر میں برطانیہ کی ٹوڑی حکومت نے سر جان سائمن کی سربراہی میں ایک اسٹیچوری کمیشن بنایا۔ کمیشن قومی تحریک کے ردعمل میں بنا تھا اس لیے اسے ہندوستان کے آئینی نظام کی کارکردگی کو دیکھنا تھا اور مناسب تبدیلیاں تجویز کرنا تھیں۔ دشواری یہ تھی کہ کمیشن میں ایک بھی ہندوستانی نہیں تھا۔ کمیشن کے تمام اراکین برطانوی تھے۔

سائمن کمیشن 1928 میں جب ہندوستان پہنچا تو اس کا استقبال 'سائمن واپس جاؤ' کے نعروں سے ہوا۔ مظاہروں میں کانگریس اور مسلم لیگ کے ساتھ دوسری پارٹیاں بھی شامل ہوئیں۔ مظاہرین کو رام کرنے کی کوشش میں وائسرائے لارڈ اِروِن نے اکتوبر 1929 کو ایک غیر معینہ مدت کے اندر ہندوستان کو 'ڈومنین اسٹیٹس' کا درجہ دیے جانے، اور مستقبل کے آئین پر تبادلہ خیال کرنے کے لیے ایک گول میز کانفرنس کی پیش کش کی۔ اس پیش کش

شکل 6۔ 1931 میں الہ آباد میں کانگریسی لیڈروں کی میٹنگ
مہاتما گاندھی کے علاوہ آپ سردار ولبھ بھائی پٹیل کو دیکھ سکتے ہیں (انتہائی بائیں طرف) جواہر لال نہرو (انتہائی دائیں طرف) اور سبھاش چندر بوس (دائیں سے پانچویں)

© NCERT Not to be Republished

نے کانگریس کو مطمئن نہیں کیا۔ کانگریس کے اندر انقلابی، جواہر لال نہرو اور سبھاش چندر بوس کی قیادت میں اور زیادہ مصر اور پر عزم ہو گئے۔ آزاد خیال اور معتدل لوگ جو برطانوی ڈومنین کے فریم ورک کے اندر ایک آئینی نظام تجویز کر رہے تھے، آہستہ، آہستہ، اپنے اثر و رسوخ کو کھو بیٹھے۔ دسمبر 1920 میں، جواہر لال کی صدارت میں لاہور کانگریس نے 'پورن سوراج' (مکمل آزادی) کے مطالبے کو باقاعدہ شکل دے دی۔ اعلان کیا گیا کہ 26 جنوری 1930 کا دن یوم آزادی کی حیثیت سے منایا جائے گا اور اس دن لوگ مکمل آزادی کے حصول کے لیے جدو جہد کرنے کا عہد بھی کریں گے۔ مگر ان تقریبات کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ کی۔ لہٰذا مہاتما گاندھی کو آزادی کے تجریدی خیال کو روزانہ زندگی کے زیادہ ٹھوس مسائل سے مربوط کرنے کا طریقہ ڈھونڈنا پڑا۔

3.1 نمک مارچ اور سول نافرمانی تحریک

مہاتما گاندھی کو نمک میں ایک ایسی توانا علامت نظر آئی جو سارے ملک کو متحد کر سکتی تھی۔ 31 جنوری 1930 کو انھوں نے وائسرائے لارڈ اروِن کو ایک خط بھیجا تھا جس میں اپنے گیارہ مطالبات لکھے تھے۔ ان میں سے بعض مطالبات تو عام دلچسپی کے تھے۔ کچھ مطالبات صنعت کاروں سے لے کر کاشتکاروں تک مختلف طبقات کے مطالبات تھے۔ مقصد مطالبات کو اتنا وسیع اور ہمہ گیر بنانا تھا کہ ہندوستانی سماج کے ہر طبقے کا آدمی انہیں اپنے مطالبات کہہ سکے اور اس طرح ان سب کو ایک متحدہ مہم میں شامل کیا جا سکے۔ ان مطالبات میں سے سب سے زیادہ چونکانے والا مطالبہ نمک پر سے ٹیکس ہٹانے کا تھا۔ نمک ایک ایسی چیز تھی جسے امیر و غریب ہر شخص استعمال کرتا تھا اور یہ غذا کا ایک انتہائی ضروری جز و تھا۔ نمک پر ٹیکس اور اسے بنانے پر حکومت کا کلّی اختیار، مہاتما گاندھی نے کہا، برطانوی حکومت کے انتہائی ظالم پہلو کو بے نقاب کرتا ہے۔

مہاتما گاندھی کا یہ خط ایک لحاظ سے ایک الٹی میٹم تھا۔ خط میں کہا گیا تھا کہ اگر یہ مطالبات 11 مارچ تک مانے نہیں جاتے ہیں تو کانگریس سول نافرمانی کی ایک مہم چلائے گی۔ وائسرائے اِروِن بات چیت کرنے کے خواہش مند نہیں تھے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی نے 78 معتمد رضا کاروں کے ساتھ اپنا مشہور 'ڈانڈی مارچ' شروع کیا۔ مارچ، سابرمتی میں گاندھی جی کے آشرم سے گجرات کے ساحلی ٹاؤن ڈانڈی تک تھا جس کی کل مسافت 240 میل تھی۔ والینٹرز تقریباً دس میل یومیہ کے حساب سے 24 دن چلے۔ رات میں مہاتما گاندھی جہاں جہاں رکے ہزاروں لوگ انھیں سننے آئے اور انھوں نے ان لوگوں کو بتایا کہ سوراج سے ان کا مطلب کیا ہے ساتھ ہی ان کو پر امن طور پر انگریزوں کے قانون کی خلاف ورزی کرنے کی تلقین کی۔ 6 اپریل کو وہ ڈانڈی پہنچے اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ انھوں نے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سمندر کے پانی کو ابال کر نمک بنایا۔

ماخذ C

عہد یوم آزادی، 26 جنوری 1930

''ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے تمام لوگوں کی طرح، ہندوستانی عوام کو بھی آزادی کا حق ہے، اپنی محنت کے پھلوں سے لطف اندوز ہونے اور ضروریات زندگی کی تکمیل کا حق ہے۔ تا کہ انھیں فروغ و ترقی کے تمام مواقع میسر ہوں۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ کوئی حکومت اگر اپنے عوام کو ان حقوق سے محروم رکھتی ہے اور انھیں دباتی ہے تو ان عوام کو اس کا بھی حق ہے کہ وہ اسے بدل دیں یا پھر ختم کر دیں۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان میں، ہندوستانی عوام کو نہ صرف آزادی سے محروم کیا ہے بلکہ اس نے عام آدمی کے استحصال پر اپنی بنیاد رکھی ہے۔ اور ہندوستان کو اقتصادی، سیاسی، ثقافتی اور روحانی طور پر تباہ کر دیا ہے۔ اسی لیے ہندوستان کو برطانیہ سے اپنے رشتے کو توڑ لینا چاہیے اور پورن سوراج یا مکمل آزادی حاصل کرنا چاہیے۔''

© NCERT Not to be Republished

شکل 7۔ ڈانڈی مارچ
سالٹ مارچ (نمک ستیہ گرہ) میں گاندھی
78 والینٹروں کے ساتھ تھے راستے میں ہزاروں
لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

سول نافرمانی تحریک کا یہ آغاز تھا۔ یہ تحریک، عدم تعاون کی تحریک سے مختلف کیسے تھی؟ اس بار عوام سے صرف تعاون نہ کرنے کو نہیں کہا گیا، جیسا کہ انھوں نے 21—1920 میں کیا تھا بلکہ نوآبادیاتی قانون کی خلاف ضروری کرنے کے لیے بھی کہا گیا۔

ملک میں ہزاروں لوگوں نے نمک قانون توڑا' نمک بنایا، سرکاری نمک فیکٹریوں کے سامنے مظاہرے کیے۔ تحریک جیسے جیسے پھیلتی گئی بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ ہوا، شراب کی دوکانوں پر دھرنے دیے گئے۔ کسانوں نے لگان اور چوکیداری ٹیکس دینے سے انکار کیا، گاؤوں کے حکام نے استعفے دے دیے۔ بہت سی جگہوں پر جنگلات سے متعلق لوگوں نے جنگلات کے قوانین کی خلاف ورزی کی اور لکڑی جمع کرنے اور اپنے مویشیوں کو چرانے کے لیے ریزرو جنگلوں میں گئے۔

ان واقعات سے پریشان ہوکر نوآبادیاتی سرکار نے ایک ایک کر کے کانگریسی لیڈروں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ اس اقدام کی وجہ سے بہت سی جگہوں پر متشدد جھڑپیں ہوئیں۔ مہاتما گاندھی کے ایک عقیدت مند رفیق خان عبدالغفار خان جب اپریل 1930 میں گرفتار کیے گئے تو بھپرے ہوئے ہجوموں نے پیشاور کی سڑکوں پر بکتر بند گاڑیوں اور پولیس کی فائرنگ کا مقابلہ کرتے ہوئے مظاہرے کیے۔ بہت سے لوگ مارے گئے۔ ایک مہینے بعد جب خود مہاتما گاندھی گرفتار کر لیے گئے تو شولاپور میں صنعتی مزدوروں نے پولیس چوکیوں، میونسپل عمارتوں، کچہریوں، ریلوے اسٹیشنوں اور ان تمام تعمیرات پر حملے کیے جو برطانوی حکومت کی علامت تھیں۔ ایک سہمی اور ڈری ہوئی حکومت نے وحشیانہ ظلم و جبر کی پالیسی اپنائی پرامن ستیہ گرہیوں پر حملے کیے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو مارا پیٹا گیا تقریباً ایک لاکھ لوگ گرفتار کیے گئے۔

شکل 8۔ پولیس ستیہ گرہیوں پر ٹوٹ پڑی، 1930

ایسی صورت حال میں، گاندھی جی نے ایک بار پھر تحریک کو واپس لینے کا فیصلہ کیا اور 5 مارچ

© NCERT Not to be Republished

1931 کو اروِن سے ایک معاہدہ کیا۔'اس گاندھی—اروِن پیکٹ' کے مطابق گاندھی جی نے ایک گول میز کانفرنس میں شرکت پر رضامندی ظاہر کی۔(پہلی گول میز کانفرنس کا کانگریس نے بائیکاٹ کیا تھا) کانفرنس میں شرکت کے لیے گاندھی جی لندن گئے مگر مذاکرات ناکام ہو گئے اور وہ وہاں سے مایوس واپس آ گئے۔ واپسی پر انھوں نے دیکھا کہ حکومت نے ظلم و زیادتی کا ایک نیا چکر چلا رکھا ہے۔غفار خاں اور جواہر لال نہرو دونوں جیل میں تھے،کانگریس کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا اور جلسوں،جلوسوں اور بائیکاٹ کو روکنے کے لیے بہت سے اقدامات کیے تھے۔متعدد قوانین نافذ ہوئے تھے۔ انتہائی خوف و ہراس کی فضا میں مہاتما گاندھی نے سول نافرمانی کی تحریک پھر شروع کی۔تحریک ایک سال تک تو چلتی رہی مگر 1934 ہوتے ہوتے یہ اپنی قوت متحرکہ سے محروم ہو گئی۔

3.2۔شرکاء نے تحریک کو کس طرح دیکھا

آیئے ہم ان مختلف سماجی گروہوں پر ایک نظر ڈالیں جنھوں نے سول نافرمانی کی تحریک میں شرکت کی۔ یہ لوگ تحریک میں کیوں شامل ہوئے؟ان کے مطمح نظر اور تصورات کیا تھے؟ان کے لیے سوراج کا مطلب کیا تھا؟

دیہی علاقوں میں،متمول کاشتکار طبقے،جیسے گجرات کے پٹی دار اور اتر پردیش کے جاٹ تحریک میں بہت سرگرم تھے۔تجارتی فصلوں کے پیدا کرنے والے ہونے کی وجہ سے وہ تجارتی کساد بازاری اور گرتی ہوئی قیمتوں سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔نقد آمدنی ختم ہو جانے کی وجہ سے سرکاری لگان ریوینو ادا کرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا تھا اور لگان کے مطالبات میں تخفیف سے حکومت کے انکار نے ایک عام ناراضگی پیدا کر دی تھی۔ یہ امیر کسان سول نافرمانی کی تحریک کے بڑے پرجوش حمایتی بن گئے۔انھوں نے اپنی کمیونیٹیز کو منظم کیا اور کبھی کبھی اپنے ان لوگوں پر زور زبردستی بھی کی جو بائیکاٹ کے پروگراموں میں شامل ہونے میں تامل کر رہے تھے۔ان کے لیے سوراج کے لیے لڑائی لگان کی اونچی شرحوں کے خلاف لڑائی تھی۔لیکن لگان کی شرحوں میں کسی قسم کی تخفیف نہ ہونے کے باوجود جب 1931 میں تحریک کو واپس لے لیا گیا تو یہ لوگ بہت مایوس ہوئے۔اسی لیے جب 1932 میں تحریک دوبارہ شروع ہوئی تو ان میں سے بہتوں نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔

نسبتاً غریب کسان کو لگان مطالبات کی شرح میں تخفیف سے کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں۔ان میں اکثر ان چھوٹے چھوٹے قطعہ اراضی پر کاشت کرتے تھے جو انھوں نے زمین داروں سے کرائے پر لے رکھے تھے۔کساد بازاری جاری رہی اور نقد آمدنیاں مزید کم ہوتی گئیں،ان کسانوں کو بھی اپنی زمین کے کرایوں کی ادائیگی دشوار نظر آنے لگی۔انھوں نے زمین دار کو ادا نہ کیے جانے والے کرایوں کو معاف کیے جانے کی خواہش ظاہر کی۔انھوں نے متنوع انقلابی تحریکوں میں شمولیت

باکس 1

انقلاب کی اس قربان گاہ پر ہم اپنے نوجوانوں کو عود و لوبان کی طرح لائے ہیں

بہت سے نیشنلسٹوں نے سوچا کہ انگریزوں کے خلاف لڑائی عدم تشدد کے ذریعے جیتی نہیں جا سکتی۔1928 میں،دہلی کے فیروز شاہ کوٹلہ گراؤنڈ میں ایک میٹنگ میں ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن آرمی (HSRA) بنائی گئی۔اس کے لیڈروں میں بھگت سنگھ،جتن داس اور اجے گھوش شامل تھے۔ہندوستان کے مختلف حصوں میں HSRA نے بڑے ڈرامائی انداز میں،انگریز حکومت کی علامتوں کو نشانہ بنایا۔اپریل 1929 میں بھگت سنگھ اور بٹوکیشور دتا نے لیجسلیٹو اسمبلی پر بم پھینکا۔اسی سال اس ٹرین کو اڑانے کی کوشش کی گئی جس میں لارڈ اروِن سفر کر رہے تھے۔جب بھگت سنگھ پر نوآبادیاتی حکومت نے مقدمہ چلایا اور پھانسی دی اس وقت ان کی عمر 23 سال تھی۔اپنے مقدمے کے دوران انھوں نے کہا کہ وہ 'بم اور پستول کے مسلک کی ستائش نہیں کرنا چاہتے تھے' وہ سماج میں انقلاب چاہتے تھے:

انقلاب نوع انسانی کا لاینفک حق ہے۔آزادی ہر فرد کا پیدائشی حق ہے۔مزدور سماج کی حیات کا وسیلہ ہے......اس انقلاب کی قربان گاہ پر ہم اپنے نوجوانوں کو عود و لوبان کی طرح لائے ہیں۔کیوں کہ اتنے عظیم مقصد کے لیے کوئی بھی قربانی بڑی نہیں ہے۔ہم مطمئن ہیں۔ہم انقلاب کی آہٹ کے منتظر ہیں۔انقلاب زندہ باد!'

© NCERT Not to be Republished

اختیار کی جن کی قیادت عموماً سوشلسٹ اور کمیونسٹ کر رہے تھے۔ اس خیال سے خوف زدہ کہ مسائل کو اٹھانے سے امیر کسان اور زمیندار پریشان ہو سکتے ہیں کانگریس اکثر جگہوں پر کوئی 'کرایہ نہیں' (no rent) اسکیم کی حمایت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ غریب کسانوں اور کانگریس کے باہمی رشتے غیر یقینی رہے۔ کاروباری (Business) کلاس کا معاملہ کیا تھا؟ انھوں نے سول نافرمانی کی تحریک سے کس طرح قرابت محسوس کی؟ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستانی تاجروں صنعت کاروں نے بڑے بڑے نفع کمائے تھے اور بڑے طاقت ور ہو گئے تھے (دیکھیے باب 5) اپنے کاروبار کو بڑھانے کے شوق میں انھوں نے اب ان نوآبادیاتی پالیسیوں کے خلاف ردعمل کا اظہار کیا جو ان کی کاروباری سرگرمیوں پر روک لگاتی تھیں۔ انھوں نے بیرونی مال کی درآمد کے خلاف تحفظ چاہا اور روپے اور اسٹرلنگ فارن ایکسچینج کا وہ تناسب چاہا جو درآمدات کی ہمت شکنی کرے۔ اپنے کاروباری مفادات کو منظّم کرنے کے لیے 1920 میں ان لوگوں نے انڈین انڈسٹریل اینڈ کمرشیل کانگریس بنائی اور 1927 میں فیڈریشن آف دی انڈین چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز (FICCI) کی بنیاد رکھی۔ پرشوتم داس، ٹھاکر داس اور جی.ڈی. برلا جیسے ممتاز صنعت کاروں کی قیادت میں، ہندوستانی اقتصادیات پر نوآبادیاتی کنٹرول کے خلاف آواز اٹھائی گئی اور سول نافرمانی کی تحریک کی جب یہ پہلی باری شروع ہوئی تھی حمایت کی۔ انھوں نے مالی امداد کی اور درآمد کیے ہوئے سامان کی خرید و فروخت سے انکار کیا۔ اکثر کاروباریوں نے سوراج کو ایک ایسے زمانے کی طرح دیکھا جس میں کاروبار پر نوآبادیاتی پابندیوں کا وجود نہ ہوگا اور تجارت اور صنعت بغیر کسی روک ٹوک کے پھلے پھولے گی۔ مگر گول میز کانفرنس کی ناکامی کے بعد تجارتی گروہوں میں ایک جیسا جوش و خروش ختم ہو گیا۔ وہ عسکری سرگرمیوں سے ڈرے ہوئے۔ اور کاروبار میں طویل رخنہ اندازیوں سے پریشان تھے۔ کانگریس کے نوجوان اراکین پر سوشلزم کے روز افزوں اثرات سے بھی انھیں تشویش تھی۔

صنعتوں میں کام کرنے والی ورکنگ کلاس ناگپور کے علاقوں کو چھوڑ کر، سول نافرمانی کی تحریک میں بہت نہیں شریک ہوئی۔ صنعت کار جیسے جیسے کانگریس کے قریب آئے مزدور، اس سے دور ہوتے گئے۔ مگر اس سب کے باوجود کچھ مزدوروں نے یقیناً تحریک میں حصہ لیا مگر انھوں نے کام کے خراب حالات اور کم اجرتوں کے خلاف چلنے والی خود اپنی تحریکوں کا حصہ سمجھ کر گاندھی جی کے پروگرام کے بدیسی سامان کے بائیکاٹ جیسے پروگراموں کا انتخاب کیا۔ 1930 میں ریلوے ورکرز اور 1932 میں گودی کے مزدوروں کی ہڑتالیں ہوئی تھیں۔ 1930 میں چھوٹا ناگپور میں ہزاروں کامگاروں نے گاندھی ٹوپیاں پہنیں اور احتجاجی ریلیوں اور بائیکاٹ کی مہموں میں شرکت کی۔ مگر کانگریس کو اپنی جدوجہد کے پروگرام میں کامگاروں کے مطالبات شامل کرنے میں تامل تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے صنعت کار برگشتہ ہو جائیں گے اور سامراج مخالف قوتیں منقسم۔

سول نافرمانی تحریک کا ایک اہم پہلو اس میں بڑی تعداد میں عورتوں کی شمولیت تھا۔ نمک ستیہ گرہ

کچھ اہم تاریخیں

1918—19
یوپی کے پریشان کسانوں کو بابا رام چندر نے منظّم کیا۔

اپریل 1919
رولٹ ایکٹ کے خلاف گاندھیائی ہڑتال جلیاں والا باغ کا قتل عام

جنوری 1921
عدم تعاون اور خلافت تحریک شروع کی گئی

فروری 1922
'چوری چورا': گاندھی جی عدم تعاون کی تحریک واپس لیتے ہیں

دسمبر 1929
لاہور کانگریس میں، کانگریس 'پورن سوراج' کے مطالبے کو اپناتی ہے۔

مئی 1924
دو سالہ مسلح قبائلی جدوجہد ختم ہوئی الوری سیتارام گرفتار ہوئے۔

1930
امبیڈکر پچھڑی جاتیوں کی انجمن بناتے ہیں۔

مارچ 1930
گاندھی جی ڈانڈی کے مقام پر نمک قانون کو توڑ کر سول نافرمانی تحریک کی ابتدا کرتے ہیں۔

مارچ 1931
گاندھی جی سول نافرمانی کی تحریک ختم کرتے ہیں۔

دسمبر 1931
دوسری گول میز کانفرنس

1932
سول نافرمانی کی تحریک پھر شروع ہوئی۔

© NCERT Not to be Republished

شکل 9۔عورتیں نیشنلسٹ جلوسوں میں شامل ہوتی ہیں۔
نیشنلسٹ تحریک کے دوران بہت سی عورتیں اپنی زندگی میں پہلی بار اپنے گھروں سے باہر نکل کر عوامی میدان میں آئیں۔آپ جلوس میں شامل ہونے والیوں میں بہت سی بوڑھی عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں۔گود میں بچوں کو لیے ہوئے ماؤں کو دیکھ سکتے ہیں۔

© NCERT Not to be Republished

کے دوران ہزاروں عورتیں گاندھی جی کو سننے کے لیے گھروں سے باہر نکلیں۔انھوں نے احتجاجی جلوسوں میں شرکت کی، نمک بنایا اور بدیسی کپڑے کی دوکانوں اور شراب کی دوکانوں پر دھرنے دیئے۔بہت سی عورتیں جیل گئیں۔شہری علاقوں میں یہ عورتیں اونچی ذات کے خاندانوں کی تھیں، دیہی علاقوں میں یہ امیر کسانوں کے گھروں سے آئیں تھیں، گاندھی جی کی اپیل سے متاثر ہوکر انھوں نے قوم کی خدمت کو عورتوں کے ایک مقدس فریضے کی طرح دیکھا۔پھر بھی بڑھے ہوئے عوامی رول کا مطلب عورتوں کی عمومی حیثیت میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں تھا۔گاندھی جی کو اس بات پر یقین تھا کہ عورت کی ذمہ داری گھر اور خانہ داری کو سنبھالنا، اچھی مائیں اور اچھی بیویاں بننا تھی۔ایک طویل عرصے تک تنظیم میں عورتوں کو کسی بڑی ذمہ داری دینے میں تامل رہا۔کانگریس کو ان کی صرف علامتی موجودگی سے دلچسپی تھی۔

تبادلۂ خیال کیجیے

سول نافرمانی کی تحریک میں ہندوستانیوں کے مختلف طبقات اور مختلف گروہوں نے کیوں حصہ لیا؟

3.3 سول نافرمانی کی حدود

سوراج کے تجریدی تصور سے سارے سماجی گروپ متاثر نہیں ہوئے تھے۔ان میں سے ایک گروپ ملک کے 'اچھوتوں' کا تھا۔جنھوں نے 1930 کے بعد سے اپنے آپ کو دلت یا مظلوم (Oppressed) کہنا شروع کردیا تھا۔اعلیٰ ذات کے قدامت پسند سناتن لوگوں کی ناگواری کے ڈر سے

کانگریس نے بہت دنوں تک دلتوں کو نظر انداز کیا تھا۔مگر مہاتما گاندھی نے کہا کہ اگر چھوت چھات کو ختم نہیں کیا گیا تو سو سال تک بھی سوراج حاصل نہیں ہوسکتا۔انھوں نے 'اچھوتوں' کو 'ہری جن' یا خدا کے بچے کہا۔مندروں میں داخلے، عام کنوؤں ،تالابوں، سڑکوں کے استعمال اور اسکولوں میں ان کے داخلے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ستیہ گرہ کیے۔بھنگیوں کے کام کی عزت بڑھانے کے لیے انھوں نے خود پاخانے صاف کیے، اونچی ذات والوں کو اپنے دلوں کو بدلنے پر مائل کرنے کی کوشش کی اور چھوت چھات کے گناہ کو ترک کرنے کو کہا۔مگر بہت سے دلت لیڈر اپنے فرقے کے مسائل کے تدارک کے لیے ایک مختلف سیاسی حل میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔تعلیمی اداروں میں مخصوص سیٹوں اور ایسے الگ انتخابی حلقوں کا مطالبہ کرتے ہوئے جو لیجسلیٹیو کونسلوں کے لیے دلت اراکین کا انتخاب کریں گے انھوں نے اپنے آپ کو منظّم کیا۔سیاسی اختیار جیسا کہ ان کو یقین تھا کہ ان کی سماجی معذوریوں کے مسائل کا تدارک کرے گا۔اسی لیے سول نافرمانی تحریک میں دلتوں کی شرکت مہاراشٹر اور ناگپور کے علاقوں تک محدود تھی جہاں ان کی تنظیم خاصی مضبوط تھی۔

ڈاکٹر بی.آر.امبیڈکر، جنھوں نے 1930 میں ڈپریسڈ کلاسیز ایسوسی ایشن کے تحت دلتوں کو منظّم کیا تھا، دوسری گول میز کانفرنس میں دلتوں کے لیے الگ حلقۂ انتخاب کا مطالبہ کرکے مہاتما گاندھی سے لڑ گئے۔جب برطانوی حکومت نے امبیڈکر کے مطالبے کو مان لیا تو مہاتما گاندھی نے مرن برت شروع کر دیا۔ان کا خیال تھا کہ الگ حلقہ ہائے انتخاب، دلتوں کے سماج میں ملنے کے عمل کو سست کر دیں گے۔امبیڈکر نے آخر کار گاندھی جی کے موقف کو قبول کر لیا اور اس کے نتیجے کے طور پر ستمبر 1932 کا پونا پیکٹ ہوا۔اس معاہدے نے ڈپریسڈ کلاسیز (جو بعد میں شیڈیولڈ کاسٹ کہلائیں) کو صوبائی اور مرکزی لیجسلیٹیو کاؤنسلوں میں محفوظ نشستیں دلوادیں۔دلت تحریک، بہرحال کانگریس کی رہنمائی میں چلنے والی قومی تحریک کے بارے میں بدستور مشکوک رہی۔

ہندوستان میں بعض مسلم سیاسی تنظیمیں بھی سول نافرمانی کی تحریک کی طرف سے بددل اور جوش وخروش سے عاری تھیں۔عدم تعاون خلافت تحریک کے انحطاط کے بعد مسلمانوں کے ایک بڑے حصے نے اپنے آپ کو کانگریس سے بے گانہ محسوس کیا۔بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے کانگریس بڑے نمایاں طور پر مہاسبھا جیسے ہندو قوم پرست گروہوں سے ملی ہوئی نظر آئی۔ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی رشتے مزید خراب ہونے کی وجہ سے، ہر گروہ نے عسکری جوش وخروش کے ساتھ مذہبی جلوس منظّم کیے اور شہریوں میں ہندو— مسلم فرقہ وارانہ جھڑپوں اور فسادوں کو ہوا دی۔ہر فساد نے دونوں فرقوں کے درمیان خلیج کو وسیع تر کر دیا۔

کانگریس اور مسلم لیگ نے اتحاد کی بات پھر شروع کرنے کی کوشش کی اور 1927 میں کچھ ایسا لگا کہ ایسا اتحاد ممکن ہے۔اہم اختلافات، مستقبل کی ان اسمبلیوں میں نمائندگی کے سوال پر تھے

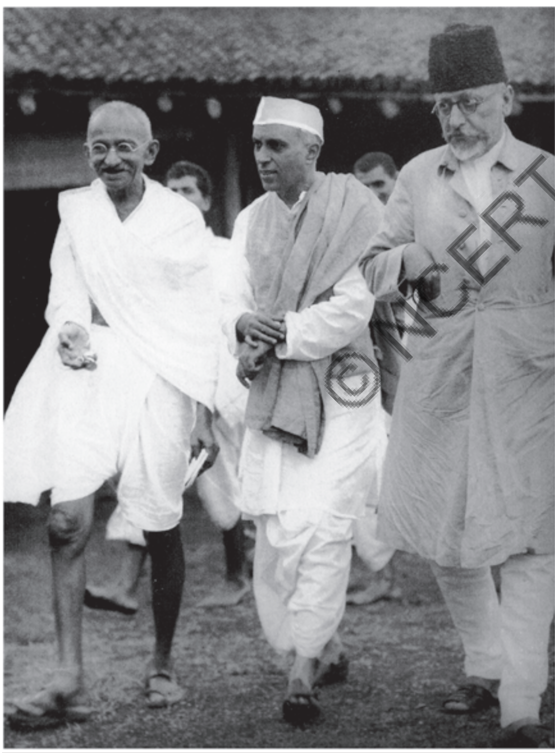

شکل 10۔سیوا گرام آشرم واردھا میں مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد (1935)۔

©NCERT Not to be Republished

جنھیں منتخب کیا جانا تھا۔ محمد علی جناح مسلم لیگ کے لیڈروں میں سے ایک ،الگ انتخابی حلقوں کے مطالبے کو چھوڑنے پر راضی تھے اگر مسلمانوں کو مرکزی اسمبلی میں محفوظ نشستوں اور مسلم اکثریت والے صوبوں (بنگال اور پنجاب) میں ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق نمائندگی کو یقینی بنایا جائے۔ نمائندگی کے سوال پر مذاکرات ہو رہے تھے مگر 1928 میں، آل پارٹیز کانفرنس میں اس مسئلے کے حل کی تمام امیدیں اس وقت ختم ہوگئیں جب ہندو مہاسبھا کے ایم۔ آر۔ جیاکار نے مصالحت کی تمام کوششوں کی شدید مخالفت کی۔

اسی لیے جب سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی اس وقت شک وشبہے اور عدم اعتمادی کی ایک فضا فرقوں کے درمیان پنپ رہی تھی۔ کانگریس سے بے گانہ مسلمانوں کے بہت سے حلقے متحدہ جدوجہد کے نعرے پر لبیک نہ کہہ سکے۔ بہت سے مسلمان لیڈروں اور دانش وروں نے ہندوستان کے اندر ایک اقلیت کی حیثیت سے مسلمانوں کے مقام کے سلسلے میں تشویش کا اظہار کیا۔ انھوں نے ہندو اکثریت کے تفوق میں اقلیتوں کے کلچر اور ان کی شناخت کے معدوم ہو جانے کے خدشہ کا اظہار کیا۔

ماخذ D

1930 میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے سر محمد اقبال نے اقلیتوں کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے طور پر الگ حلقہ ہائے انتخاب کی ضرورت اور اہمیت کا اعادہ کیا۔ خیال ہے کہ ان کے اس بیان نے قیام پاکستان کے اس مطالبے کے لیے دانشورانہ جواز فراہم کیا۔ جو بعد کے برسوں میں سامنے آیا۔ سر محمد اقبال نے کہا تھا:

’اس بات کے کہنے میں مجھے کوئی جھجھک نہیں ہے کہ اگر اس اصول کو کہ ہندوستانی مسلمانوں کو خود اپنی تہذیب اور اپنی روایات کے خطوط پر خود اپنی ہندوستانی وطنی سرزمینوں پر مکمل اور آزادانہ فروغ وترقی کا حق ہے ایک مستقل فرقہ وارانہ اتفاق (واتحاد) کی اساس کی حیثیت سے مان لیا جاتا ہے تو وہ ہندوستان کی آزادی کی خاطر اپنی ہر چیز کو داؤں پر لگانے کے لیے تیار ہوں گے۔ یہ اصول کہ ہر گروہ کو خود اپنے خطوط کے مطابق آزادانہ ترقی کرنے کا حق ہے، کسی تنگ نظر فرقہ پرست جذبے کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے...... ایک فرقہ جو کسی دوسرے فرقے کے خلاف بغض وعناد کے جذبے سے تحریک حاصل کرتا ہے وہ حقیر اور قابل مذمت ہے۔ میں دوسرے فرقوں کے رسوم ورواج، آئین وقوانین، مذاہب اور ان کے سماجی اداروں کی بڑی قدر کرتا ہوں اور میرے دل میں ان کے لیے انتہائی احترام ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق یہ میرا فرض ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو ان کے مذہبی مقامات کا تحفظ بھی (میرا فرض ہے) ساتھ ہی مجھے اس کمیونل گروپ سے بھی محبت ہے جو میری زندگی اور میرے طور طریقوں کا ماخذ ہے، جس نے مجھے اپنا مذہب، اپنا ادب، اپنے خیالات، اپنا کلچر دے کر میری خودی کی تشکیل کی ہے اور اس ذریعے سے میرے موجودہ شعور میں ایک زندہ عملی عنصر کی حیثیت سے اپنا سارا ماضی مجھے عطا کیا ہے‘......

’فرقہ پرستی اپنے ارفع پہلو میں پھر ہندوستان جیسے ملک میں ایک ہم آہنگ کل کی تشکیل کے لیے ناگزیر ہے۔ ہندوستانی سماج کی اکائیاں مغربی ملکوں کی طرح علاقائی اکائیاں نہیں ہیں۔...... کمیونل گروپوں کی حقیقت کو تسلیم کیے بغیر یوروپین ڈیموکریسی کے اصول کا ہندوستان پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہندوستان کے اندر ایک مسلم انڈیا بنانے کا مطالبہ کلی طور پر حق بجانب ہے‘

’ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ الگ حلقہ ہائے انتخاب نیشنلزم کی حقیقی روح کے منافی ہیں کیوں کہ وہ لفظ نیشن کو ایک قسم کا ایسا آمیزہ سمجھتے ہیں جس میں کسی کمیونل اکائی کو اپنے نجی تشخص کو باقی نہیں رکھنا چاہیے۔ مگر ایسی صورت حال کا بہر حال وجود نہیں ہے۔ ہندوستان سرزمین ہے نسلوں اور مذاہب کے تنوع کی۔ اس میں مسلمانوں کی اقتصادی کمتری، ان کے بے پناہ قرضے، خصوصاً پنجاب میں اور دوسرے صوبوں میں سے کچھ میں ان کی ناکافی اکثریت کو ان کی موجودہ ساخت کی رو سے، شامل کر لیجیے تو الگ حلقہ ہائے انتخاب کی خواہش اور اس پر تشویش کا مطلب واضح طور پر آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔‘

تبادلۂ خیال کیجیے

ماخذ کو غور سے پڑھیے۔ کیا آپ اقبال کے کمیونلزم کے آئیڈیا سے اتفاق کرتے ہیں؟ کیا آپ کمیونلزم کی کوئی اور تعریف کر سکتے ہیں؟

© NCERT Not to be Republished

4 اجتماعی تعلق کا احساس

شکل 11 ۔ بال گنگا دھر تلک — اوائل بیسوی صدی کی ایک تصویر۔
دیکھیے کہ تلک کس طرح اتحاد و یکجہتی کی علامتوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ مختلف عقائد کے مقدس اداروں (مندر، چرچ، مسجد) نے اس تصویر کا فریم بنایا ہے۔

© NCERT Not to be Republished

قوم پرستی اس وقت پھیلتی ہے جب لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ وہ سب ایک ہی ملک و قوم کا حصہ ہیں، جب وہ کوئی ایسا اتحاد دریافت کر لیتے ہیں جو انھیں ایک ہی بندھن میں باندھ دیتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ قوم لوگوں کے ذہنوں میں حقیقت کیسے بنتی ہے؟ مختلف فرقوں اور مختلف برادریوں، مختلف علامتوں اور مختلف لسانی گروہوں سے متعلق ہوتے ہوئے بھی لوگ اجتماعی تعلق کا احساس کیوں کر پیدا کرتے ہیں؟

اجتماعی تعلق کا یہ احساس کچھ تو مشترکہ جدوجہد کے تجربات سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر بہت سے متنوع ثقافتی عمل بھی ہوتے ہیں جو عوام کے تخیل کو تسخیر کرتے ہیں۔ تاریخ، اور ادب، عوامی حکایتوں، لوک گیتوں، مقبول عام تصویروں اور عوامی علامتوں نے بھی قوم پرستی کی تشکیل و تعمیر میں حصہ لیا ہے۔

شکل 12— بھارت ماتا۔ ابنندر ناتھ ٹیگور، 1905۔ دیکھیے ماں کی شبیہ یہاں 'علم' غذا اور کپڑے دیتی ہوئی دکھائی گئی۔ ایک ہاتھ میں مالا ان کی روحانی خصوصیت کی علامت ہے۔ ابنند رناتھ ٹیگور نے روی ورما کی طرح پینٹنگ کا ایک اسٹائل تخلیق کیا۔ جسے حقیقتاً ہندوستانی سمجھا جا سکتا ہے۔

ملک وقوم کی شناخت، جیسا کہ آپ جانتے ہیں (دیکھیے باب 1) اکثر کسی شبیہ یا ذہنی تصویر کے ذریعے پیش کی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسے تصور، ایک ایسی شبیہ کی تخلیق میں مدد کرتا ہے جس سے عوام ملک وقوم کی شناخت کر لیتے ہیں۔ یہ بیسویں صدی تھی، قوم پرستی کے جذبے کے فروغ کے ساتھ ہندوستان کی شناخت 'بھارت ماتا' کے تصور سے جڑ گئی۔ یہ شبیہ سب سے پہلے بنکم چندر چٹوپادھیائے نے دی تھی۔ 1870 میں انھوں نے مادر وطن کے لیے ایک توصیفی گیت 'بندے ماترم' لکھا تھا۔ بعد کو یہ گیت ان کے ناول 'آنند مٹھ' میں شامل ہوا۔ بنگال میں سودیشی تحریک میں یہ گایا بھی بہت گیا۔ سودیشی تحریک سے متاثر ہو کر ابنندر ناتھ ٹیگور نے اپنی مشہور پینٹنگ 'بھارت ماتا' بنائی (دیکھیے شکل-12) اس پینٹنگ میں بھارت ماتا خاموش پرسکون، الوہی اور روحانی ہیں۔ بعد کے برسوں میں بھارت ماتا کی شبیہ نے متعدد مختلف شکلیں اختیار کیں۔ اس کی بہت سی مقبول شکلیں شائع ہوئیں، اور بہت سے مختلف آرٹسٹوں نے اسے بنایا۔ (دیکھیے شکل 14)۔ ماں کی اس شبیہ سے عقیدت آدمی کی قوم پرستی کی گواہی بن گئی۔

قوم پرستی کا خیال ہندوستانی لوک کتھاؤں کی تجدید کی تحریک سے بھی پیدا ہوا۔ آخر 19 ویں صدی کے ہندوستان میں قوم پرستوں نے لوک گیت گانے والوں کی گائی ہوئی لوک کتھائیں ریکارڈ کرنا شروع کیں۔ یہ لوگ لوک گیتوں اور روایتی قصوں کو جمع کرنے کے لیے گاؤں گاؤں گھومے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کتھائیں اور یہ گیت اس روایتی کلچر کی صحیح تصویر پیش کرتے ہیں جو بیرونی اثرات کے زیر اثر مسخ ہو گیا تھا اور اس کی شکست وریخت ہو گئی تھی۔ اپنی قومی شناخت کی تلاش وجستجو اور اپنے ماضی پر فخر کے جذبے کی بحالی کے لیے اس لوک روایت کو محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ بنگال میں خود رابندر ناتھ ٹیگور نے لوک کتھاؤں، نرسری گیتوں اور لوک گیتوں،

شکل 13. جواہر لعل نہرو—ایک تصویر۔
اس تصویر میں جواہر لعل کو بھارت ماتا کی تصویر اور ہندوستان کے نقشے کو اپنے دل سے لگائے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بے شمار عام تصویروں میں، نیشنلسٹ لیڈروں کو بھارت ماتا پر اپنی جان کی پیش کش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ماں کے لیے قربانی کا جذبہ، عوامی ذہنوں میں بہت راسخ تھا۔

© NCERT Not to be Republished

دیو مالائی قصوں (Myth) کو جمع کرنا شروع کیا اور اس طرح لوک روایت کی تجدید کی تحریک کی رہنمائی کی۔ مدراس میں نتیسا شاستری نے چار جلدوں پر مشتمل تامل لوک کہانیوں کا ایک ضخیم مجموعہ 'دی فوک لور آف سدرن انڈیا' شائع کیا۔ ان کا خیال تھا کہ 'عوامی گیت اور کہانیاں قومی ادب تھا اور عوام کے خیالات اور ان کی خصوصیات کا معتبر ترین مظہر'۔

قومی تحریک جوں جوں بڑھی، نیشنلسٹ لیڈر عوام کو متحد کرنے اور ان میں قوم پرستی کے جذبے کو بیدار کرنے میں ان علامتوں کی اہمیت سے اور زیادہ واقف ہوئے۔ سودیشی تحریک کے دوران بنگال میں ایک ترنگا (لال۔ ہرا اور پیلا) ڈیزائن کیا گیا۔ جھنڈے میں برطانوی ہندوستان کے آٹھ صوبوں کی نمائندگی کرتے ہوئے آٹھ کنول کے پھول تھے ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہوا ایک ہلال تھا۔ 1921 میں گاندھی جی نے سوراج کا جھنڈا بنایا۔ یہ بھی ترنگا تھا (لال، ہرا اور سفید)۔ اس پر بیچ میں ایک چرخا تھا جو گاندگی جی کے 'اپنی مدد آپ' کے نظریے کی نمائندگی کرتا تھا۔ اجتماعی جلوسوں میں جھنڈے کو ہاتھ میں لینا، اسے بلند کرنا سرکشی وسرتابی کی علامت تھا۔

قوم پرستی کا احساس پیدا کرنے کا ایک دوسرا ذریعہ تاریخ کی تاویل وتوجیہ تھا۔ 19 ویں صدی کے آخری زمانے میں، بہت سے ہندوستانی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ملک وقوم پر فخر کرنے کے جذبے کو پیدا کرانے کے لیے ہندوستان کو تاریخ پر کچھ دوسرے ڈھنگ سے غور کرنا ضروری ہے۔ انگریز ہندوستانیوں کو پس ماندہ اور قدیم اور خود حکومت کرنے کے لیے نااہل سمجھتا تھا۔ اس کے جواب میں ہندوستانیوں نے ہندوستان کی عظیم کامرانیوں کو دریافت کرنے کے لیے ماضی کی چھان بین شروع کی۔

ان لوگوں نے پرانے زمانے کی ان عظیم کامیابیوں اور شاندار کامرانیوں کے بارے میں لکھا جب آرٹ اور فن تعمیر، سائنس اور ریاضی، مذہب اور کلچر، قانون اور فلسفہ، دستکاری اور تجارت نے بڑا فروغ پایا تھا اور خوب پھلی پھولی تھی۔ اس عظیم الشان وقت کے پیچھے پیچھے زوال وانحطاط کی ایک تاریخ آئی جب ہندوستان ایک نوآبادیات بن گیا۔ ان قوم پرست مورخین نے اپنے پڑھنے والوں کو ماضی میں ہندوستان کی شاندار کامرانیوں پر فخر کرنے اور انگریزی عہد میں زندگی کے قابل نفرت حالات کو بدلنے پر اکسایا۔

لوگوں کو متحد کرنے کی یہ کوششیں دشواریوں سے پاک نہیں تھیں۔ جس ماضی کی عظمت بیان ہو رہی

شکل 14۔ بھارت ماتا
بھارت ماتا کی یہ تصویر ابنندرناتھ ٹیگور کی تصویر سے مختلف ہے۔ یہاں وہ ایک ہاتھی اور ایک شیر کے ساتھ ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک ترشول ہے۔ ہاتھی اور شیر دونوں قوت واختیار کی علامتیں ہیں۔

سرگرمی

تصویر 12 اور 14 کو دیکھیے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کیا یہ تصویریں ہر ذات اور ہر کمیونٹی کے لوگوں کو اپیل کریں گی؟ اپنے خیالات کی مختصر اً وضاحت کیجیے۔

ماخذ E

'پرانے زمانے میں ہندوستان آنے والے بیرونی سیاح، آریاومسا کے لوگوں کی ہمت، سچائی اور انکساری پر حیرت کرتے تھے۔ آج یہ لوگ ان خصوصیت کے یکسر معدوم ہوجانے کی بات کرتے ہیں۔ ہندو اس زمانے میں تاتار، چین اور دوسرے ملکوں کو فتح کرنے اور وہاں اپنا پرچم لہرانے کے لیے جاتے تھے۔ آج دور دراز کا ایک حقیر جزیرہ، سرزمین ہند پر حکومت کر رہا ہے۔
تارنی چرن چٹوپادھیائے۔ 'بھارت برشیر اتہاس'، (بھارت ورش کی تاریخ) جلد 1، 1858

© NCERT Not to be Republished

تھی وہ ہندو تھا۔ شبیہیں جن کا جشن منایا جاتا تھا وہ ہندو دیوی دیوتاؤں کی تھیں، دوسرے فرقے کے لوگوں کو نظر انداز کیے جانے کا احساس ہوا۔

ماحصل

بیسویں صدی کے نصف آخر میں نوآبادیاتی حکومت کے خلاف ایک بڑھتی ہوئی ناراضگی، ہندوستان کے مختلف طبقات اور مختلف گروہوں کو آزادی کی ایک مشترکہ جدوجہد میں ساتھ لا رہی تھی۔ مہاتما گاندھی کی قیادت میں کانگریس نے لوگوں کی شکایتوں کو حصول آزادی کی تحریکوں میں منظّم کرنے کی کوشش کی۔ اور ایسی تحریکوں کے وسیلے سے قوم پرستوں نے ایک قومی یکجہتی قائم کرنے کا جتن کیا۔ لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ان تحریکوں میں مختلف طبقے اور مختلف گروہ، مختلف آرزوؤں اور مختلف توقعات کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ چونکہ معنی بھی ان لوگوں کے لیے الگ الگ تھے۔ کانگریس نے اختلافات کو دور کرنے کی مسلسل کوشش کی اور اس بات کو یقینی بنانا چاہا کہ ایک گروپ کے مطالبات دوسرے گروپ کو دور نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک میں اتحاد و یکجہتی وقتاً فوقتاً ختم ہوتی رہی۔ اسی لیے کانگریس کی سرگرمیوں اور نیشنلسٹ اتحاد کے عروج کے جلو میں عدم اتحاد اور گروہوں کی باہمی کشمکش کے مرحلے آتے رہے۔

دوسرے الفاظ میں جو کچھ ابھر کر سامنے آ رہا تھا وہ تھی بہت سی آوازوں کے ساتھ نوآبادیاتی تسلط کے خاتمہ کی خواہش مند ایک ''قوم''۔

© NCERT Not to be Republished

اختصار کے ساتھ لکھیے

اختصار کے ساتھ لکھیے

1۔ وضاحت کیجیے:

(a) نوآبادیوں میں نیشنلزم کا فروغ نوآبادیات مخالف تحریک سے منسلک کیوں ہے۔

(b) ہندوستان میں قومی تحریک کے فروغ میں پہلی جنگ عظیم نے کس طرح مدد کی۔

(c) ہندوستانی رولٹ ایکٹ پر بپھرے کیوں تھے۔

(d) گاندھی جی نے عدم تعاون کی تحریک کو واپس لینے کا فیصلہ کیوں کیا۔

2۔ ستیہ گرہ کے نظریے کا کیا مطلب ہے؟

3۔ مندرجہ ذیل پر اخبار کے لیے ایک نوٹ لکھیے:

(a) جلیاں والا باغ قتل عام

(b) سائمن کمیشن

4۔ اس باب میں دی ہوئی بھارت ماتا کی شبیہ کا موازنہ پہلے باب کی جرمانیہ سے کیجیے۔

تبادلۂ خیال کیجیے

تبادلۂ خیال کیجیے

1۔ 1921 کی عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہونے والے تمام مختلف سماجی گروہوں کے نام بتائیے۔ پھر ان میں سے کسی تین کا انتخاب کر کے، یہ دکھانے کے لیے کہ انھوں نے تحریک میں شرکت کیوں کی ان کی توقعات اور ان کی جدوجہد کے بارے میں لکھیے۔

2۔ اس بات کی وضاحت کرنے کے لیے کہ یہ احتجاج کا ایک موثر ہتھیار تھا، نمک ستیہ گرہ پر بات کیجیے۔

3۔ تصور کیجیے کہ آپ سول نافرمانی کی تحریک میں شامل ہونے والی ایک خاتون ہیں۔ بتائیے کہ یہ تجربہ آپ کی زندگی کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے۔

4۔ الگ حلقہ ہائے انتخاب پر سیاسی لیڈروں نے اتنی شدت سے اختلاف کیوں کیا؟

پروجیکٹ

پروجیکٹ

کینیا میں نوآبادیات مخالف تحریک کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔

ہندوستان کی قومی تحریک کا موازنہ اور مقابلہ ان طریقوں سے کیجیے جن کو اختیار کر کے کینیا آزاد ہوا۔

© NCERT Not to be Republished